

اسلام میں تقلید کی صحیح حقیقت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تقلید کیا ہے؟

تقلید روزمرہ زندگی کا حصہ ہے۔ تقلید (یا اتباع) کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عام شخص جو کسی مخصوص شعبے میں ماہر نہیں کسی ماہر کی بات کو بغیر کسی دلیل یا وضاحت مان لے اور اس پر عمل کرے۔ یہ طرز عمل انسانی زندگی کا فطری حصہ ہے اور دنیا بھر میں لوگ روزمرہ کے ہر شعبے میں اسے اپناتے ہیں۔

تقلید کی ایک آسان مثال ایک بچے کی ہے جو اسکول میں حروف تہجی سیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ استاد کی بات بغیر سوال کے مانتا ہے۔ اسی طرح ایک نیا ڈرائیور جب کسی ماہر انسٹرکٹر سے ڈرائیونگ سیکھتا ہے، تو وہ بھی تقلید کر رہا ہوتا ہے۔ جب لوگ کسی ماہر ڈاکٹر سے علاج کرواتے ہیں اور اس کی دی ہوئی دوا لیتے ہیں، تو وہ بھی تقلید کی ایک شکل ہے۔

اسی طرح اگر کوئی عام شخص کسی ماہر وکیل سے مشورہ لیتا ہے یا ٹیکس کے مشورے کے لیے کسی ماہر کنسلٹنٹ سے رجوع کرتا ہے، تو وہ بھی تقلید کر رہا ہوتا ہے۔ انجینئرنگ کے شعبے میں بھی جب کوئی فرد کسی انجینئر کی مہارت سے فائدہ اٹھاتا ہے، تو یہ بھی تقلید کی ایک صورت ہے۔ ان تمام مثالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ تقلید یا اتباع ہماری زندگی کا لازمی حصہ ہے۔

سائنس کی دنیا کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے اگر ہم سائنسی حقائق پر غور کریں۔ جیسے یہ کہنا کہ سورج زمین سے 93 لاکھ میل دور ہے۔ کیا ہم میں سے کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ یہ بات واقعی درست ہے؟ ہم اسے صرف اس لیے مان لیتے ہیں کہ یہ بات ماہرین نے کہی ہے۔ اساتذہ ان حقائق کو ناقابل تردید سمجھ کر پڑھاتے ہیں اور بچے انہیں یاد کرتے ہیں تاکہ امتحان میں کامیاب ہو سکیں۔ روزمرہ زندگی میں ایسی لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔

لہذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ تقلید یا اتباع صرف اسلامی یا شرعی دائرے تک محدود نہیں بلکہ ایک عالمی اور فطری انسانی رویہ ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں پایا جاتا ہے۔

عام لوگوں کے لیے تقلید ایک آسان راستہ ہے

اسلامی فقہ (قانون) کے تناظر میں تقلید یا اتباع کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگ اسلامی شریعت کے ماہر علماء کے دئے گئے احکام اور ان کی تشریحات کو قبول کریں، بغیر اس کے کہ وہ ان سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ ہر فتویٰ یا حکم کے پیچھے کارفرما پیچیدہ علمی مراحل۔ جنہیں "اجتہاد" کہا جاتا ہے۔ کی تفصیل پیش کریں۔

سادہ الفاظ میں کہا جائے تو تقلید کا مطلب یہ ہے کہ عام انسانوں پر اجتہاد لازم نہیں ہے۔ اجتہاد وہ علمی و فکری محنت ہے جو ماہر علماء کسی شرعی حکم تک پہنچنے کے لئے کرتے ہیں، اور یہ ایک گہرا اور تکنیکی عمل ہے۔ عام لوگوں کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ ان ماہر علماء پر اعتماد کریں اور ان کے دئے ہوئے احکام کے مطابق عمل کریں۔

اس لحاظ سے تقلید عوام کے لیے ایک بہت بڑی سہولت اور نعمت ہے۔ اجتہاد کا پیچیدہ عمل عام انسانوں کی استعداد سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اجتہاد کی صلاحیت حاصل کرنے کے لیے کئی برسوں کی سخت محنت، اسلامی علوم میں گہری مہارت، اور فکری جدوجہد درکار ہوتی ہے۔ درحقیقت لفظ "اجتہاد" کا مطلب ہی "محنت کرنا" اور "کوشش کرنا" ہے۔

اسی لیے شریعت نے عام لوگوں کو اس مشقت سے آزاد کر دیا ہے اور انہیں یہ سہولت دی ہے کہ وہ مستند علماء کی رہنمائی پر بھروسہ کرتے ہوئے دین پر عمل کر سکیں۔

تقلید کے بارے میں غلط فہمیاں

موجودہ زمانے میں تقلید کے مسئلے کو لے کر مختلف قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ دنیا کے کئی حصوں میں یہ موضوع مسلمانوں کے درمیان شدید بحث و مباحثے کا باعث بن چکا ہے۔ اس مسئلے میں تقلید کے حامی اور مخالف دونوں جانب سے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان غلط فہمیوں کا سب سے مؤثر علاج یہ ہے کہ ہم اسلام کے اصل مآخذ - قرآن و حدیث - کی طرف رجوع کریں اور ساتھ ہی اس اُمت کے صالح، معتبر اور ہدایت یافتہ علماء و اکابر کے اقوال و تعلیمات کا بھی مطالعہ کریں۔

اگر ہم ان اصل ذرائع کو اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ پڑھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں، تو تقلید اور اتباع کے بارے میں ایک درست اور واضح تصور سامنے آجائے گا، جو افراط و تفریط سے پاک ہوگا۔

تقلید کا شرعی مقام

ہدایت کا اصل سرچشمہ قرآن کریم ہے، جسے "هُدًى لِلنَّاسِ" یعنی "تمام انسانوں کے لیے ہدایت" کہا گیا ہے۔ تاہم یہ الہامی ہدایت بنیادی اصولوں کی صورت میں دی گئی ہے، اور اس کی تفصیلی تشریح اور عملی شکل نبی کریم ﷺ کے سپرد کی گئی ہے۔

مثال کے طور پر، قرآن میں حکم ہے: "أَقِيمُوا الصَّلَاةَ" یعنی "نماز قائم کرو"۔ لیکن قرآن یہ وضاحت نہیں کرتا کہ نماز کس طرح ادا کی جائے، اس کے ارکان کیا ہوں، کتنی رکعتیں ہوں، اور قراءت کیسے کی جائے۔ ان تمام ضروری تفصیلات کو نبی کریم ﷺ نے اپنے اقوال، افعال اور طرز عمل سے ہمیں سکھایا۔

اسی طرح قرآن کا حکم: "وَأَتُوا الزَّكَاةَ" یعنی "زکات دو"۔ لیکن سونے، چاندی، مویشیوں، کھیتی باڑی وغیرہ پر کتنی زکات دی جائے، یہ تفصیلات صرف احادیث سے معلوم ہوتی ہیں۔

حج کے بارے میں قرآن میں آیا: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ" یعنی "اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے"۔ لیکن طواف کے چکر، عرفات میں وقوف، منیٰ و مزدلفہ میں قیام، رمی جمار جیسے اعمال کی تفصیلات ہمیں صرف سنت نبویہ سے حاصل ہوتی ہیں۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کے احکام کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے - چاہے وہ نماز ہو، زکات ہو یا حج - سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع ناگزیر ہے۔ قرآن خود بھی نبی ﷺ کی تشریحات کو ماننے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ"

(جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی)۔ (النساء: 80)

یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔

اسی بات کو حدیث میں نبی ﷺ نے یوں واضح فرمایا:

"صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي"

(نماز اس طرح پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو)۔ (صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 1076)

آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ "نماز قرآن سے خود اخذ کر لو"، بلکہ یہ فرمایا کہ اسے میرے طریقے سے سیکھو، جو واضح اشارہ ہے کہ نماز کی صحیح ادائیگی صرف سنت نبوی سے ہی معلوم کی جا سکتی ہے۔

احادیث کی کئی اقسام ہیں:

• اقوال: نبی ﷺ کے فرمائے گئے ارشادات

• افعال: آپ ﷺ کے کیے گئے اعمال

• تقاریر: دوسروں کے اعمال یا اقوال جن کی آپ ﷺ نے خاموشی سے یا واضح طور پر تائید فرمائی

یہ تمام اقسام امت کے لیے رہنمائی کا ایک اہم ذریعہ ہیں، اور شریعت کو مکمل طور پر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ان کا جاننا اور ماننا ضروری ہے۔

قیاس (عقلی مشابہت پر مبنی اجتہاد)

جب نبی کریم ﷺ سے کوئی سوال پوچھا جاتا تو آپ ﷺ بعض اوقات جواب دینے کے بجائے سائل کو کسی مشابہ اور معروف صورت حال کی طرف متوجہ فرماتے۔ جب سائل درست مثال پیش کرتا تو آپ ﷺ فرماتے: "جس بارے میں تم نے پوچھا ہے وہ اسی نوعیت کا معاملہ ہے۔" مثال:

ایک عورت نے سوال کیا: "جج میری والدہ پر فرض تھا مگر وہ وفات پا گئیں۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں تمہارا کیا ہوا حج ان کی طرف سے قبول ہوگا۔ مجھے بتاؤ اگر تمہاری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتیں؟" اس نے جواب دیا: "جی ہاں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "تو پھر اللہ کا حق اس سے زیادہ ادا کیے جانے کا مستحق ہے۔" اس طرز استدلال کو اسلامی فقہ میں قیاس، اجتہاد یا استنباط کہا جاتا ہے۔ یہ اصول صرف ان معاملات میں اختیار کئے جاتے ہیں جن کا کوئی واضح حکم قرآن یا سنت میں موجود نہ ہو۔ جب نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم اور قاضی بنا کر بھیجا، تو آپ ﷺ نے روانگی کے وقت ان سے کئی اہم باتیں فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: "تم لوگوں کے درمیان کیسے فیصلہ کرو گے؟" معاذؓ نے جواب دیا: "اللہ کی کتاب کے مطابق۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر قرآن میں نہ ملے؟" انہوں نے عرض کیا: "پھر سنت رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر سنت میں بھی نہ ملے؟" انہوں نے جواب دیا: "پھر میں اپنی پوری سمجھ اور کوشش سے اجتہاد کروں گا۔" یہ سن کر نبی کریم ﷺ بہت خوش ہوئے، معاذؓ کے طریقے کو پسند فرمایا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ (ابوداؤد، جلد 2، صفحہ 149)

جب اہل علم کا کسی اجتہادی مسئلے پر اتفاق ہو جائے، تو اسے اجماع کہا جاتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ قیاس اور اجتہاد شریعت میں کوئی نیا حکم گھڑنے کے لئے نہیں ہوتے بلکہ ان کا مقصد وہ حکم ظاہر کرنا ہوتا ہے جو قرآن و حدیث میں کسی درجے میں موجود ہوتا ہے لیکن براہ راست بیان نہیں کیا گیا۔ مجتہد ان احکام کو تین طریقوں سے واضح کرتا ہے:

• دلالت (براہ راست اشارہ)

• اشارہ (بالواسطہ اشارہ)

• اقتضاء (لازمی مفہوم)

جو شخص اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ کسی اہل علم (مجتہد) کی پیروی کرے۔ یہی پیروی تقلید کہلاتی ہے۔

جب نبی کریم ﷺ نے معاذؓ کو قاضی بنا کر بھیجا تو اس کا مقصد یہی تھا کہ لوگ ان کے فیصلوں پر عمل کریں۔ چاہے وہ قرآن سے ہوں، سنت سے ہوں یا ان کے اجتہاد سے۔ ان تینوں کو قبول کرنا درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے۔

جیسا کہ مشکاة المصابیح (صفحہ 310) میں ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔"

فقہی اصول، شرعی دلائل اور ان کی اقسام

اسلامی فقہ میں شرعی مسائل (یعنی دینی احکام) کو چار اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جن کے بارے میں قرآن مجید یا صحیح احادیث میں صاف اور واضح حکم موجود ہوتا ہے۔ ان میں کسی قسم کی الجھن یا تشریح کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے ایسے احکام میں نہ قیاس کی گنجائش ہے اور نہ ہی تقلید کی ضرورت، بلکہ سیدھا ان پر عمل کرنا فرض ہوتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جن میں قرآن یا حدیث میں دو واضح احکام موجود ہوں، اور یہ بھی معلوم ہو کہ کون سا حکم پہلے آیا اور کون سا بعد میں۔ اگر تاریخ یا روایت سے ثابت ہو جائے کہ پہلا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور دوسرا نافذ ہے، تو صرف دوسرے حکم پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر بھی قیاس یا تقلید کی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ شرعی حکم بالکل صاف اور واضح ہوتا ہے۔

تیسری قسم میں وہ مسائل آتے ہیں جن میں دو شرعی دلائل تو موجود ہوتے ہیں، مگر یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ ان میں سے کون سا پہلے نازل ہوا۔ چونکہ ترتیب نزول واضح نہیں ہوتی، اس لیے یہاں ماہر علماء کی ضرورت پڑتی ہے جو ان دلائل کا باریک بینی سے جائزہ لیں اور اجتہاد کے ذریعے یہ طے کریں کہ ان میں سے کون سا حکم قابل عمل ہے۔

چوتھی قسم وہ مسائل ہوتے ہیں جن کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی صاف حکم نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں قیاس، اجتہاد اور علمی غور و فکر ضروری ہو جاتا ہے تاکہ حالات کے مطابق شرعی رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

پہلی اور دوسری قسم کے احکام تو بالکل واضح ہوتے ہیں اور ان پر عمل کرنے میں کسی کو مشکل پیش نہیں آتی۔ لیکن تیسری اور چوتھی قسم کے مسائل میں صورت حال مختلف ہوتی ہے، کیونکہ ان میں فیصلہ کرنے کے لئے علمی بصیرت اور دینی مہارت درکار ہوتی ہے۔ کیا ایسے میں ایک عام مسلمان خاموشی اختیار کر کے کسی عمل سے باز رہ سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟" (القیامہ: 36)۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو ہر وقت اللہ کے احکامات پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "کیا تم نے یہ سمجھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے؟" (المؤمنون: 115)۔ یعنی انسان کو ہر حالت میں اللہ کے احکامات کی پیروی کرنی ہے، چاہے معاملہ آسان ہو یا پیچیدہ۔ اب اگر کسی مسئلے میں یہ معلوم نہ ہو کہ کون سا حکم منسوخ ہے اور کون سا باقی، تو ایک عام شخص کیا کرے؟ قرآن کا ایک اور حکم ہے: "اور اس بات کے سچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں" (بنی اسرائیل: 36)۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایسی بات پر عمل کرنا جائز نہیں جس کا علم نہ ہو۔ یہی وہ مقام ہے جہاں قیاس اور اجتہاد کی ضرورت سامنے آتی ہے۔

تیسری قسم کے مسائل میں اجتہاد اس لئے ضروری ہوتا ہے تاکہ دو مختلف احکام میں سے ایک کو ترجیح دی جاسکے، اور چوتھی قسم میں اس لئے کہ جہاں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو، وہاں علماء اپنی علمی صلاحیت سے ایک درست شرعی حکم اخذ کریں۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ ہر کوئی اجتہاد کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ یہ ایک گہرا علمی عمل ہے جس کے لیے دین کے مختلف علوم میں مہارت، طویل مطالعہ اور فکری پختگی

اسی لئے قرآن نے بغیر علم کے کسی بات کی پیروی سے منع فرمایا ہے، اور یہی بات ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ جو لوگ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی ایسے عالم دین کی پیروی کریں جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اسی پیروی کو "تقلید" کہتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ جو شخص خود اجتہاد نہیں کر سکتا، اگر وہ کسی دینی مسئلے پر اپنی رائے دے، تو اس کی بات شرعی طور پر دلیل نہیں بن سکتی۔ شرعی حیثیت صرف مجتہد کے اجتہاد کو حاصل ہوتی ہے، کیونکہ وہ علم، دلائل اور فہم کی بنیاد پر رائے قائم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی مجتہد سے اجتہاد میں غلطی بھی ہو جائے، تب بھی اس کے لئے اجر ہے، جیسا کہ صحیح بخاری (جلد 1، صفحہ 1092) میں ذکر کیا گیا ہے۔

صرف چار امام ہی کیوں؟

اکثر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؓ اور تبع تابعینؓ میں بہت سے مجتہدین گزرے ہیں، لیکن آج مسلمان صرف چار مشہور ائمہ۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ۔ ہی کی تقلید کیوں کرتے ہیں؟ کیا یہ درست نہیں کہ ہم انفرادی طور پر کسی صحابیؓ کی تقلید کریں، حالانکہ ان کے فضائل قرآن و حدیث میں بیان کیے گئے ہیں؟

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صحابہؓ کا مقام و مرتبہ ان چار ائمہ سے کہیں بلند ہے، اور جو لوگ ان ائمہ کی تقلید کرتے ہیں وہ ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ یہ ائمہ صحابہؓ سے افضل ہیں۔ البتہ ان ائمہ کی تقلید اختیار کرنے کی وجہ عملی ہے۔ تقلید اسی وقت ممکن ہے جب کسی شخص کے پاس شریعت کے تمام شعبوں میں تفصیلی، منظم اور مرتب احکام موجود ہوں۔

امور طہارت سے لے کر فرائض کی تقسیم تک، عبادات، معاملات، عائلی قوانین اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر ان چار ائمہ نے جو علمی خدمات انجام دیں، وہ منظم اور مرتب صورت میں دستیاب ہیں۔ انہوں نے فقہ کو ایک مکمل اور باقاعدہ نظام کی شکل دی، جس سے احکام شریعت کی حفاظت ہوئی اور عام لوگوں کے لیے ان پر عمل کرنا آسان ہو گیا۔ اس درجے کی جامع تدوین صحابہؓ یا اکثر تابعینؓ کے اقوال میں نہیں ملتی۔

اسی لئے عام مسلمانوں کے لئے سب سے قابل عمل اور قابل اعتماد راستہ یہی ہے کہ وہ ان چار ائمہ میں سے کسی ایک کی فقہی رہنمائی اختیار کریں۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ائمہ کو قرآن و حدیث کی گہری فہم عطا فرمائی تھی۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے امام مالکؒ کی مشہور کتاب موطا پر اپنی شرح میں (صفحہ 6) لکھا ہے:

"یہ چاروں امام اس درجے پر فائز تھے کہ انہوں نے قرآن و حدیث کے علم کو اس طرح سمیٹ لیا کہ صحابہؓ سے مروی کوئی بھی حدیث ان سے چھپی نہ رہی۔"

صرف ایک امام کی تقلید کیوں؟

ایک اور عام سوال یہ ہوتا ہے کہ کسی ایک امام کی تقلید ہی کیوں ضروری ہے؟ ابتدائی دور، مثلاً صحابہؓ اور تابعینؓ کے زمانے میں، لوگ مختلف علماء سے مسائل پوچھتے تھے، اور کسی ایک فقہی مسلک کے پابند نہیں ہوتے تھے۔ آج کے دور میں یہ وسعت کیوں قابل قبول نہیں؟

اس کا جواب نیت کی صفائی میں ہے۔ ابتدائی ادوار میں لوگ دین کو سیکھنے اور سچائی پر عمل کرنے کی نیت سے سوال کرتے تھے، سہولت یا آسانی کی نیت سے نہیں۔ آج کے دور میں اکثر سوالات کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جو بات آسان لگے، اسے اختیار کر لیا جائے۔

مثال کے طور پر ایک شخص وضو کی حالت میں اپنی بیوی کو چھو لیتا ہے۔ شافعی مسلک کے مطابق اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جب اسے دوبارہ وضو کرنے کو کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: "میں امام ابو حنیفہ کا مقلد ہوں، ان کے نزدیک یہ عمل وضو کو نہیں توڑتا۔" بعد میں وہ شخص قے کرتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اب وہ کہتا ہے: "میں امام شافعی کی تقلید کرتا ہوں، ان کے نزدیک قے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔"

اگر وہ شخص اس حالت میں نماز پڑھتا ہے، تو نہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی نماز درست ہوگی، نہ امام شافعی کے نزدیک۔ اس طرح مختلف مسالک کے اقوال کو اپنی سہولت کے مطابق چن لینا "تلفیق" کہلاتا ہے، جو تمام فقہاء کے نزدیک ناجائز اور باطل ہے۔ یہ تقلید نہیں بلکہ خواہشات کی پیروی ہے، جو علم کے پردے میں نفس کی پیروی ہے۔

تقلید کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان ذاتی خواہشات سے بچے اور ایک مستقل علمی نظام کی پیروی کرے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

"اور خواہشات کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گی۔" (سورہ ص، آیت 26)

اسی لئے کسی ایک امام کی پابندانہ تقلید ضروری ہے، تاکہ انسان دین کو اپنی سہولت کا تابع نہ بنا لے اور گمراہی میں نہ پڑ جائے۔ صدیوں سے امت مسلمہ کو ایسے جلیل القدر علماء، فقہاء، اولیاء اور اہل علم عطا ہوئے ہیں جو دینی علوم کا بحرِ ذخار تھے۔ ان کی سیرت، دیانت، تقویٰ اور سنتِ نبوی ﷺ سے وابستگی صحابہ کی صفات کی جھلک دیتی ہے۔ ان میں سے بیشتر چاروں مشہور ائمہ۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبلؒ کے فقہی مکاتبِ فکر سے وابستہ تھے۔

یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ ان اہل علم نے جن علمی و روحانی بلندیوں کو پایا، وہ انہی ائمہ کی تقلید میں استقامت اور وابستگی کے نتیجے میں حاصل ہوئیں۔ ان کے علمی نظم و ضبط، اور ائمہ کے وضع کردہ اصولوں سے وابستگی نے ان کے علم اور عمل دونوں کو انتشار سے محفوظ رکھا۔

آج بھی فقہ اسلامی انہی چار مسالک تک محدود ہے۔ جو لوگ ان میں سے کسی ایک سے وابستہ نہیں ہوتے، انہیں عام طور پر "غیر مقلدین" کہا جاتا ہے یعنی وہ لوگ جو تقلید کو تسلیم نہیں کرتے۔

حوالہ:- جمعية العلماء (کے زی۔ این)۔